© rasailojaraid.com

☆ ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

اِسلام کا تصورِ خودی

خودی کا مفہوم لغوی

خودی کے لغوی مفہوم کے بیان میں علماء لغت سے جو چیزیں منقول ہیں' انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے- خودی کا یہ لغوی مفہوم اِس کے اصطلاحی معنی' اس کی اقسام اور اس کے احوال پہچاننے میں مدد و معاون ثابت ہو گا-

فرہنگ فارسی کے مطابق خودی کا مفہوم لغوی انانیت اور خود پرستی ہے-(۱)

اس بیان کے مطابق لفظ خودی انانیت پسندی اور خود پرستی کی حد تک محدود ہے- مدار الافاضل میں خود کامی کا مفہوم خود مرادی (خود کو چاہنے والا) اور خود خواہی (مغرور' متکبر) بیان کیا گیا ہے-(۲)

لیکن ان کے بالمقابل فارسی اردو فرہنگ میں خودی کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ جامع تر ہے جس کے مطابق خودی کے مصداق میں اپنی ذات' خود سری' اور تکبر کے علاوہ خود آگاہی اور استحکام ذات بھی داخل ہیں-(۳)

گویا خودی کے مصداق کی دو جہتیں ہو گئیں' ایک جہت غرور' تکبر اور خود سری کی ہے اور دوسری جہت خود شناسی یعنی عرفان ذات اور استحکام و استقلال ذات ہے اور دراصل خودی کی یہی دو جہتیں ہیں- جن میں اول الذکر مذموم اور موخر الذکر نہ صرف محمود و مطلوب ہے' مقصودِ مومن ہے- کیونکہ انسان کے اندر' خیر' ایمان اور تقویٰ کی جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں انسان اپنی خودی کے ذریعہ ان کو ترقی دے سکتا ہے- نفس کی باغیانہ قوت پر کامل غلبہ حاصل کر سکتا ہے- اور ان نقائص و عیوب کو پہچاننے والا ہو سکتا ہے جو اس کو انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گرا دینے والے اور حیوانات و جمادات کی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صف میں داخل کرنے والے ہیں۔

اصطلاحی معنی

خودی کے لغوی مفہوم کی بحث میں یہ واضح کیا گیا کہ خودی کی دو جہتیں ہیں جن میں سے ایک مذموم، بیمار یا شیطانی خودی ہے۔ یعنی غرور و تکبر، خود پسندی، خود پرستی اور انانیت جبکہ دوسری جہت محمود، صحت مند، یا یزدانی خودی ہے یعنی خود شناسی، شعور و عرفان ذات، خود آگاہی اور استحکام ذات۔ خودی کے اصطلاحی معنی بیان کرنے والے اور اس نظریہ پر بحث کرنے والے بھی اس طرح دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ جو بلا شبہ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

(الف) پہلا گروہ ان صوفیاء کا ہے جنہوں نے خودی کو فنا و زائل کرنے، احساسات و جذبات کو مٹا دینے کی تعلیم، تلقین اور تاکید کی ہے۔ اگرچہ اس کی تاویل فنا فی اللہ کے عنوان سے کرتے ہیں۔

(ب) دوسرے گروہ نے خودی کو اس درجہ بلند کر دیا ہے کہ یہ خودی نہ صرف یہ کہ خدا کی خدائی میں شریک ہو گئی بلکہ ایک درجہ میں خدا کو اپنی مرضی، منشا اور رضا کی پابند بنانے والی ہوئی۔

اگر حقیقت کی باریک بین آنکھ سے دیکھا جائے تو خودی کے یہ دونوں نظریات خلاف احکام اور دین متین کی بنیاد و اساس کے مخالف ہیں۔ احکام اسلامی یا فرامین نبوی نہ تو انسانی فطرت، فطری جذبات و احساسات کو ختم کر دینے کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اور نہ ہی اسے اس قدر بلند و عالی مقام دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس خودی کی رضا کا پابند ہو جائے۔ افراط و تفریط کے ان دونوں راستوں کے درمیان ایک راہ اعتدال یہ متعین فرمائی گئی ہے کہ انسان اپنے فطری جذبات و احساسات، اپنی قوت علمیہ، عملیہ اور ارادیہ کا رُخ احکام الٰہی کی طرف موڑ دے اور انہیں احکام الٰہی کے تابع کر دے۔ فطری احساسات و جذبات کے اس کامل اتباع کو ان کے فنا یا خودی کے ختم کر دینے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ احکام الٰہی اور فرامین نبوی ہر انسان کو کسی ایک نقطہ پر منجمد نہیں کرتے بلکہ ان میں ایک حد تک اس طرح لچک رکھی گئی ہے کہ انسان اپنی فطری حوائج و ضروریات کو پورا کرنے، احوال و کیفیات کی تبدیلی کے ساتھ اس حد کے اندر ان میں مشروع تبدیلی سے استفادہ کر سکتا ہے۔ حالت مرض یا پانی کے نہ ہونے کی صورت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیمّم کی اجازت، سفر کی حالت میں قصر نماز اور روزے کی قضا کی اجازت عورتوں کے لئے ایام حیض و نفاس میں نماز کی معافی یہ وہ رخصتیں ہیں جن سے انسان استفادہ کر سکتا ہے۔ اور ان رخصتوں سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انسان پر احکام شریعت کی جانب سے یہ پابندی عائد نہیں کی گئی کہ وہ مریض ہے یا صحت مند، مسافر ہے یا مقیم ہر حالت و کیفیت میں ایک ہی حکم کی اتباع و پیروی کرے اور جو مرض یا سفر اس اتباع اور پیروی میں مانع ہو اس پر قابو پائے یا اس کو ترک کر دے۔ اس طرح خودی کو یہ مقام اور یہ رعایت بھی نہیں دی گئی اور ایسا کوئی مرحلہ شریعت مطہرہ میں موجود نہیں کہ جہاں انسان خدا کو اپنی رضا کے تابع بنانے والا ہو بلکہ 'انسان کی فوز و فلاح اور اس کی کامیابی و کامرانی کا معیار یہ رکھا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا تابع فرمان ہو جائے۔ حضرت ادیب لکھتے ہیں :

> "صوفی کہتے ہیں کہ خود بینی شرک خفی جس کی سرحدیں شرک کی جلی سرحدوں سے ملتی ہیں۔ اپنے آپ کو مٹا دو تا کہ پھر اپنے آپ کو دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے۔ ہمیشہ اپنے محبوب کو دیکھتے رہو اور اس طرح دیکھتے رہو کہ اس کے دیدار میں محو اور حیران ہو کر رہ جاؤ۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو دیکھو اور اس شد و مد سے دیکھو کہ اگر محبوب اپنی تمام نیرنگیوں کے ساتھ اپنے تمام ناز و تبختر' اپنے تمام غمزوں' کرشموں اور عشووں کے ساتھ۔ جلوہ فرما ہو اور اس زور سے جلوہ فرما ہو کہ اس کے جلوے تحت الثریٰ سے لے کر فلک الافلاک تک تمام کائنات کو معمور کر دیں تو بھی تم آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھو تا کہ اسے بھی معلوم ہو جائے کہ تم ان خوشامدی عاشقوں میں سے نہیں جنہیں عرف عام میں ٹوڈی کہتے ہیں اور جو ایک جلوے کے لئے کبھی وادیوں اور کبھی پہاڑوں پر مارے پھرتے ہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یقین جانو کہ وہ اپنی لن ترانیوں سے باز نہ آئے گا۔"(۴)

یعنی بقول ادیب ایک جانب صوفیاء ہیں کہ جو خودی کو اس حد تک مٹا دینے کی تاکید کر رہے ہیں کہ پھر اس کی تمام تر حسیات صرف اور صرف محبوب کے احساس کرنے کی حد تک محدود و مقید ہو جائیں کہ خودی کا وجود اور اس کا احساس و شعور شرک خفی ہے۔ جو بالآخر انسان کو شرک جلی میں داخل کر دیتا ہے۔ دوسری جانب ادیب کی تشریح کے مطابق علامہ اقبال کا تصور ہے کہ وہ انسان کو اس کی خودی میں اس قدر محو کر دینا چاہتے ہیں کہ خدا کا وجود اس کے نزدیک کوئی عظمت' اہمیت اور حیثیت رکھنے والا نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو اور وہ خدا کے عشق، اس کی تلاش و جستجو اور اس کے ایک جلوے کے دیدار میں حضرت موسیٰ کی طرح کوہ طور کے چکر کاٹے، نہ حضرت ابراہیم کی طرح وادی غیر ذی ذرع کو اپنی جولانگاہ بنائے اور نہ نبی کریمؐ کی طرح غار حرا کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ فرامین نبوی اور اسلامی احکام حسب ذیل دو بنیادوں کی بناء پر ان دونوں نظریات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

(الف) اِسلام ایک دین فطرت ہے اور ہر پیدا ہونے والا بچہ اس دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ لہذا دینِ اِسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام کبھی انسان کے فطری جذبات و احساسات کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ اسلام کے کسی حکم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی طریقہ و سنت کے متعلق یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فطرت انسانی کے خلاف ہے اس کو سر انجام دینے سے فلاں فطری جذبات و احساسات مجروح و پامال ہوتے ہیں۔

(ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اُمت مرحومہ کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "وکذالک جعلنا کم امة وسطا" (۵) ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے۔ ایک ایسی امت جو ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک اعتدال اور میانہ روی کے راستہ پر چلنے والی ہے کیونکہ افراط و تفریط فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ ان دونوں بنیادی و اساسی نظریات کی موجودگی میں (جن کی تفصیلات آئندہ عرض کی جائیں گی) خودی کے مذکورہ تصورات کی اسلام میں کس حد تک گنجائش ہے، اس پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خودی کے ان دونوں تصورات کو واضح طور پر بیان کر دیا جائے۔

صوفیاء کا تصور خودی

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن مقاصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات پر جو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں حسب ذیل مقاصد نبوت سامنے آتے ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات اللہ۔ ۲۔ تعلیم کتاب و حکمت۔ ۳۔ تزکیہ نفوس۔ (۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مقاصد پر عمل کرنے کے بعد دو قسم کے نتائج مطلوب تھے۔

(الف) اندرونی: مذکورہ بالا تین فرائض سے اندرونی طور پر جو نتیجہ و ثمرہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ افراد انسانیت جو ٹھوکرے ارشاد الہٰی "وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (۷) ایک کھلی اور گہری گمراہی میں مبتلا تھے۔اور جس حد تک اس میں آگے بڑھ چکے تھے۔اس کو اس طرح بیان کیا گیا۔ "و کنتم علی شفا حفرۃ من النار" (۸)

(تم آگ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے) اور کوئی لمحہ ایسا آنے والا تھا کہ افراد انسانیت اس گڑھے میں گر کر تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو جائیں لیکن اللہ کو انسان کی بقاء ابھی منظور تھی لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرائض دے کر بھیجا گیا اور انہوں نے ان فرائض کی بجا آوری کر کے انسانیت کو اس گمراہی اور تباہی کے اس گڑھے سے نجات دی۔

(ب) بیرونی نتیجہ :

مذکورہ صدر نتیجہ ایک اندرونی نتیجہ تھا بیرونی دنیا سے متعلق بھی ایک نتیجہ مقصود و مطلوب تھا اور وہ تھا غلبہ و شوکت دین۔ارشاد ہوا۔

"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" (۹) (وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت دی اور سچا دین (اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے)۔یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام' ہدایت اور تعلیمات دین حق دے کر اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دیں' تمام ادیان باطلہ اس دین کے سامنے سر نگوں ہو جائیں۔اور جاء الحق وزھق الباطل کی عملی شکل اہل دین اپنی آنکھوں سے اس دنیا میں دیکھ لیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں ان دو نتائج کے حصول کے لئے اپنے فرائض نبوت کمال توجہ وانہماک اور تندہی کے ساتھ اس طرح سرانجام دیئے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ پچیس ہزار افراد نے بیک زبان اس بات کی گواہی دی کہ آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچادیا۔(۱۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے انہیں خطوط پر کار نبوت کو آگے بڑھایا اور لوگوں کی ذہنی اخلاقی اور فکری تربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ افکار و اخلاق اور اذہان و نظریات کی یہ تربیت دراصل تصوف کی ایک بنیاد و اساس ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ تصوف کی اصطلاح بعد کے زمانہ میں استعمال ہوئی لیکن تعلیمات تصوف اور مقاصد تصوف پر غور کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ یہ تعلیمات کبار صحابہؓ کے دور میں بھی موجود تھیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جیش عسرت کے لئے سارا اثاثہ پیش کر دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر یہ فرمانا کہ گھر پر اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر یہ فرمانا کہ لوگوں تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا' اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ اللہ حی لایموت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا اعلان' جیش اسامہ رضی اللہ بھیجنے پر تاکید' حضرت عمر فاروقؓ کا مقام کشف' آپ کے بدن پر ملبوس پیوند زدہ لباس' حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت اور تواضع' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت وحیوۃ' آپ کے اقوال اور دیگر صحابہؓ کے احوال اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اگرچہ تصوف کی اصطلاح موجود نہ تھی' کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہ کیا جاتا تھا لیکن تصوف بکمال و تمام موجود تھا اور اعلیٰ پائے کے صوفیاء بھی پائے جاتے تھے بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ دور حاضر میں بھی تصوف کی وہی تعلیمات قابل قبول ہوں گی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے حاصل ہونے والی حدود کے اندر ہوں گی' ان حدود سے تجاوز کرنے والی تعلیمات تصوف اسلامی کا حصہ نہیں بن سکتیں۔ صحابہؓ کے بعد تصوف کے دور اول میں حضرت اویس قرنیؒ' حضرت مالک بن دینارؒ' حضرت محمد واسعؒ' حضرت حبیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عجمیؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہم اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر نظر آتے ہیں۔ تصوف ان حضرات اکابر کی فراہم کردہ بنیادوں پر اپنے علو وار تقاء کی منازل طے کرتا ہے جن کی تفصیلات موجب طوالت ہوں گی۔ صوفیاء کی اس جماعت نے خودی کا جو تصور پیش کیا ہے' اس کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔(۱۲)

صوفیاء کی جماعت میں اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے خودی کی بجائے معرفت اور عرفان کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ پھر اس معرفت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) معرفت الٰہی۔

(ب) معرفت نفس۔

معرف الٰہی انسان کی منزل مقصود ہے اس تک پہنچنے کیلئے معرفت نفس کا راستہ اختیار کیا جائے یا نسیان نفس کا' اس سلسلہ میں صوفیاء دو جماعتوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ معرفت الٰہی کے حصول کیلئے معرفت نفس کے راستہ کو تجویز کرتا ہے جب کہ دوسرے گروہ کے نزدیک انسان اس وقت تک معرفت الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس' نفس کے تقاضوں اور اس کی خواہشات کو فنا نہ کر دے۔ اس سلسلہ میں ابو نصر سراج نے کتاب اللمع میں صوفیاء کے جو مختلف اقوال نقل کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :۔

کسی نے ابو سعید خراز سے معرفت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ معرفت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو (اللہ تعالیٰ کی) سخاوت کے سر چشمے سے اور دوسرے کوشش صرف کرنے سے۔

ابو تراب مخشبی سے پوچھا گیا کہ عارف کی کیا تعریف ہے تو جواب دیا عارف وہ ہے جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے۔ مگر اس کے ذریعے ہر چیز پاک و صاف ہو۔ احمد بن عطار حمۃ اللہ فرماتے ہیں معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ معرفت حق اور معرفت حقیقت' معرفت حق یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کو اس طرح معلوم کرلے جس طرح اللہ نے اس وحدانیت کو مخلوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ مثلاً اللہ کے نام اور صفات۔ اور معرفت حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی حقیقت کو پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ کیونکہ وہ تو بے نیاز ہے اور اس کی بے نیازی اس کی حقیقت کو دریافت کرنے سے مانع ہے اور اس کی ربوبیت ثابت شدہ امر ہے کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

"ولا یحیطون بہ علما"(۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو نصر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں- ابن عطا کا یہ کہنا کہ اس تک کوئی راہ نہیں پا سکتا- ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقی معرفت تک کسی کو رسائی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات و اسماء میں سے صرف اس قدر مخلوق پر ظاہر کرتا ہے جس قدر اللہ کو علم ہے کہ یہ اسے برداشت کر سکیں گے- اس لئے کہ مخلوق کو اللہ کی حقیقی معرفت حاصل کرنے کی طاقت نہیں بلکہ مخلوق تو اس معرفت میں سے ذرہ بھر کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی- جب اللہ کی عظمت و دبدبے کا ابتدائی ذرہ اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو تمام کائنات لاشئ ہو جاتی ہے لہذا جس کی صرف ایک صفت کا یہ عالم ہو اس کی کون معرفت حاصل کر سکتا ہے- یہی وجہ ہے کہ کسی کہنے والے نے یوں کہا ہے- اللہ کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور نے اس سے محبت کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صمدیت کا احاطہ اور ادراک ناممکن ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں-

"ولا یحیطون بشیئی من علمہ" (۱۴)

(مخلوق اللہ کے علم کی کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتی)

اس سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے صرف ایک راستہ بنایا جس سے وہ اس کی معرفت حاصل کر سکیں اور وہ راستہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے اپنی عاجزی کا اقرار کریں- (۱۵)

معرفت الہی سے متعلق ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ معرفت الہی کا حصول انسان کو اللہ کے جود و کرم سے ہوتا ہے لیکن اس جود و کرم کے استفادہ کے لئے محنت، سعی اور طلب کی ضرورت ہے- کیونکہ معرفت کی حقیقت کو انسان نہیں پہنچ سکتا- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا اور کبریائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لا أقدر ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک" (۱۶)

(میں تیری حمد و ثناء (تعریف) پر قادر نہیں ہوں بس تو ویسا ہی ہے کہ جیسی خود اپنی تعریف کی ہے)

اللہ کی ذات جن لامتناہی صفات کی حامل ہے، بندہ، ان کی تعریف کرنے سے قاصر ہے- بندہ اللہ کی معرفت تو حاصل کر سکتا ہے، معرفت کی حقیقت کا ادراک اس کے لئے ممکن نہیں- یہی وجہ ہے کہ اللہ کی معرفت کے حصول کے لئے راستہ بھی وہی اختیار کیا جانا ضروری ہے- کہ جو اللہ نے متعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمادیا-انسان معرفت کے حصول کے لئے راستہ اگر خود متعین کرے گا تو ہمیشہ راستہ میں ہی بھٹکتا رہے گا-اور کبھی منزل مقصود کو پانے والا نہ ہوگا-معرفت الٰہی کے لئے معرفت نفس کا حصول ضروری ہے- امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اللہ کی معرفت کو عرفان نفس پر مبنی قرار دیا ہے کہ انسان کا دل ایک آئینہ کی مانند ہے' جو اس میں غور کرے گا' وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا- (۱۷)

بعض صوفیاء کی ان توضیحات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ انسان معرفت نفس کے بغیر معرفت الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا- معرفت ذات عرفان نفس اور خودی ایک ہی معنی کی مختلف تعبیرات ہیں- معرفت نفس کا طریقہ بیان کرتے ہوئے امام غزالی نے جو تفصیلات لکھی ہیں' ان کا لب لباب یہ ہے کہ انسان اپنے تخلیقی عنصر یعنی نطفہ پر غور کرے اور پھر اپنے اعضاء اور ان کی تشکیل و ترتیب کی جانب اپنی فکری توجہات مبذول کرے- تمام تر عقل اور تدبر اور فہم و فراست کے باوجود انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ وہ اس سے بہتر جسم اور متناسب اعضاء بنانے کی بلکہ تجویز کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا- پھر انسان اپنی عجیب و غریب صفات پر غور کرے گا تو اسے اللہ کی خالقیت اور کمال قدرت کا علم و عرفان حاصل ہوگا- (۱۸)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب صفات کا مالک بنایا اور ان صفات میں بعض مستحسن و مطلوب ہیں- اور بعض مذموم و قبیح- لیکن ان متضاد اقسام میں ظاہری طور پر اس قدر مماثلت پائی جاتی ہے کہ ایک بادی النظر رکھنے والا انسان ان کے اندر خط امتیاز کھینچنے پر قدرت نہیں رکھتا- استغنا و تکبر' تواضع و تملق (چاپلوسی) جود و اسراف' بخل و قناعت وغیرہ انہیں صفات میں داخل ہیں- جن میں سے ہر پہلی صفت صفات محمودہ میں اور دوسری صفات مذمومہ میں شمار ہوتی ہیں- لیکن دونوں باہم مماثل نظر آتی ہیں- بقول اقبال

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

بالکل اسی طرح عرفان نفس یا خودی اور خوداری و خود پسندی باہم مماثل نظر آتے ہیں لیکن دراصل ان میں فرق و امتیاز قائم ہے- خودی اور عرفان نفس صفات محمودہ کی فہرست میں اور خوداری و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود پسندی صفات مذمومہ کی فہرست میں داخل ہے۔ خودی کی مذمت کرنے والے دراصل اسی تشابہ کی بناء پر خودی کو مذموم قرار دیتے ہیں ورنہ خودی ایک جوہر روحانی ہے جس کے ساتھ مادیت و بہیمیت کا اصل سرچشمہ یعنی نفس بر سر پیکار ہے جو ہر روحانیت کے اس دشمن کو شکست دینا ہی دراصل خودی ہے۔

مولانا روم کا تصور خودی :

مولانا روم خودی کو روح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک خودی وہ واحد چیز ہے جسے روح کہا جا سکتا ہے۔ (۱۹) خودی کو روح قرار دینے کے بعد مولانا مخلوقات کے مراتب کی تقسیم میں جمادات کو ارزل مخلوق شمار کرتے ہیں۔ کہ وہ روح و عنصر سے بالکل عاری و خالی ہے۔ جمادات کے بعد عناصر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں نباتات ارزل ہیں کیونکہ اس میں عناصر ہیں لیکن روح نہیں ہے۔ روح کے مراکز حیوان اور انسان ہیں۔ پھر انسان حیوان سے اس لئے افضل ہے کہ حیوان میں ادراک و فہم کا مادہ نہیں ہے۔ جبکہ انسان فہم و ادراک کا مالک ہے اور یہی روح کا سب سے بڑا خاصا ہے۔ چنانچہ حیوانی روح ترقی کی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ انسانی روح کے جو خواص مولانا روم کی کلام سے مفہوم ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

(الف) روح انسانی ایک جوہر لطیف ہے جو جسم سے مجرد و عاری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے آفتاب اور آئینہ کہ افتاب اپنی جگہ موجود ہے لیکن اس کا عکس آئینہ میں پڑتا ہے۔ تو آئینہ کو روشن کر دیتا ہے۔ اسی طرح روح عالم ملکوتی میں ہوتی ہے، اس کا پرتو و عکس روح حیوانی (انسانی جسم) پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان عجیب و غریب قوتوں کا مظہر بن جاتا ہے۔

(ب) روح ترقی کے مراتب و مدارج طے کرتی ہے یہاں تک کہ کسی ایک انسان کی روح کے مرتبہ میں دوسرے انسانوں کی نسبت اسی قدر فرق ہو جاتا ہے جس قدر روح حیوانی و انسانی میں ہے اور یہی مقام نبوت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) انسان پر اس روح کا پرتو عکس ہے انسان جو کام کرتا ہے' جن حرکات کو سرانجام دیتا ہے اسی پرتو کی بنا پر دیتا ہے۔اور اس روح پر عالم قدس کا پرتو ہے۔انسان روح اور جسم سے مرکب ہے اور جسم کی حیثیت روح کے آلہ کی سی ہے۔کہ وہ اگرچہ جسم انسانی سے بالکل جداگانہ ایک حقیقت ہے لیکن جسم کے بغیر کام نہیں کر سکتی۔ اس روح کے مقام و مرتبہ کا ادراک عرفان ذات ہے اور یہی انسان کی خودی ہے اور اس کا ادراک یہ ہے کہ انسان اس بات کو جان لے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے' نہ مادہ ہے اور نہ مادہ سے مرکب اور جسم و مکان سے بے نیاز ہے اور جب انسان اس کا قائل ہو جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب روح جسم و مکان سے عاری و بے نیاز ہو سکتی ہے تو خالق روح' زمان و مکان سے مبرا اور منزہ کیوں نہیں ہو سکتا۔

بے جہت دان' عالم امرائے صنم
بے جہت نہ باشد آمر لا جرم

(عالم امر بے جہت ہے' یعنی خصوصیات مکان سے مبرا ہے تو جو اس عالم امر کا خالق ہے وہ تو اور بے جہت ہو گا)

یہی انسان کی خودی' عرفان نفس وذات کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر بندہ اپنے رب کا عرفان وادراک اور اس کی معرفت حاصل کرتا ہے۔اور یہی عرفان اس کے عقائد کی بنیاد اور اس کی عبادت کی روح ہے۔اسی بنیاد پر حضرات صوفیاء کہتے ہیں۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (۲۰)

مولانا روم کے اس پر حکمت کلام سے خودی کے متعلق دو بنیادی اور اساسی ف تصورات مستفاد ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(1) روح (خودی) اگرچہ جسم انسانی سے ایک علیحدہ اور جداگانہ حقیقت کا نام ہے لیکن جسم سے اس کا تعلق ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ جسم کے بغیر روح کام نہیں کرتی۔ یعنی انسان جسم اور روح کا مرکب ہے جسم روح کے بغیر بے کار محض اور روح جسم کے بغیر بے فائدہ ہے۔ لہذا انسان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنے اور اپنی خودی کو ترقی دینے کے لئے جہاں روحانی تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا' اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ جسم کے تقاضوں کو بھی پہچانے اور ان کو پورا کرنے کی سعی و کوشش کرے لیکن ان دونوں میں باہم توازن قائم رکھے۔ جسم میں اتنا منہمک ہو جائے کہ روح کو بھول جائے نہ روح میں اس قدر مستغرق ہو جائے کہ جسمانی ضروریات' حاجات اور تقاضوں کو فراموش کردے۔

(2) انسان اپنی خودی کا صحیح عرفان حاصل کرے تو اسے خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اللہ سے متعلق عقائد و نظریات قائم کرنے والا ہو جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی یہ روح کس طرح ترقی کر سکتی ہے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے رومی فرماتے ہیں :

"روح خلقی طور پر پاکیزہ تھی لیکن اس نے اپنا مرتبہ کھودیا اب یہ پھر صرف اسی صورت میں اپنے مرتبہ کی بلندی حاصل کر سکتی ہے کہ اس چشمہ صافی کو لوٹ جائے جہاں سے آئی تھی۔" (۲۱)

یعنی انسانی روح اپنے صحیح مرتبہ و مقام کو اسی صورت میں حاصل کر سکتی ہے کہ وہ خدا کی جانب رجوع کرے اور احکام واوامر الہی کی تابع اور فرمانبردار ہو جائے۔ خودی کے متعلق مولانا روم کے نظریات یہاں تک تو صحیح اور حق ہیں لیکن جب رومی خودی کو ترقی کے زیادہ مدارج طے کراتے ہیں تو ایک بنیادی اور اساسی نوعیت کی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور بقول افضل اقبال یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان اپنی کاوش و مساعی سے نہ صرف ایک درویش بن سکتا ہے بلکہ ایک قوم کا پیغمبر بھی بن سکتا ہے۔ (۲۲)

اور یہ بات عقائد مسلمہ کے خلاف ہے کیونکہ نبوت و رسالت ایک وہبی چیز ہے جو اللہ تعالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطا کرتا ہے کسب واکتساب۔ سے نبوت ورسالت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

علامہ اقبال کا تصور خودی

خودی کا تصور علامہ اقبال کی شاعری میں مرکزی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ کے اس تصور کا پس منظر دراصل یہ ہے کہ علامہ کے زمانہ حیات میں برصغیر میں انگریز سامراج کو نوے برس گزر چکے تھے اس پورے دور میں انگریز کی تمام تر یہ کاوش رہی کہ مسلمانوں کے ملی تشخص، مذہبی شعار اور دینی روایات کو ختم کر دیا جائے اور لادینیت کے جراثیم ان کے اندر سرائت کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس سازش کا شکار ہو چکا تھا۔ اور توقع تھی کہ عام مسلمانوں میں یہ بات سرائت نہ کر جائے اسی سلسلہ میں انگریز نے ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کروایا اور اس مدعی نبوت کی تمام تر تعلیمات کی اساس و بنیاد نفی جہاد پر تھی۔ مسلمانوں کے اندر ملی شعار، مذہبی روایات اور دینی اقدار کو برقرار رکھنے کے لئے ہمہ جہت تحریکات کی ضرورت تھی۔ علماء نے اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں میں دینی شعور کو جگانے کی حتی المقدور کاوش و محنت کی۔

برصغیر کے مسلمانوں میں ملی تشخص کو بیدار کرنے میں جہاں دارالعلوم دیوبند کی تحریک نے ایک فعال کردار ادا کیا، وہاں علامہ اقبال کی شاعری، آپ کے کلام و خطبات اور خصوصاً آپ کے پیش کردہ تصور خودی نے مسلمانوں میں ایک تحریک پیدا کی اور مسلمانوں میں یہ مذہبی شعور جب جاگا تو انہوں نے آزادی کا مطالبہ اس زور سے کیا کہ انگریز جیسی طاقت بھی مسلمانوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی۔ اقبال کے نزدیک خودی کا مفہوم احساس نفس، تعین عرفان ذات تھا۔ اس خودی کے حصول کے لئے علامہ نے تین اصول متعین کئے ہیں۔

(1) اِطاعتِ الٰہی۔

(2) ضبطِ نفس۔

(3) نیابتِ الٰہی۔

سب سے پہلے اقبال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اِطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرتے ہیں:

"وأطِيعُوا اللّٰهَ والرَّسُولَ لَعَلَّكُم تُرحَمُونَ "(۲۳)

(اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم اس کے رحم کے مستحق قرار دیئے جاؤ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی محبت دل میں پیدا کرو- اس کی محبت اس وقت حاصل کی جاسکتی ہے جب اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی جائے- فرمانبرداری سے ایک ادنی شخص بلند مرتبہ انسان بن جاتا ہے گویا خودی کی تربیت کا سب سے بڑا راز اطاعتِ الٰہی اور اطاعت رسولؐ میں پوشیدہ ہے-

اس کے بعد اقبال ضبط نفس امارہ پر قابو پانے کی طرف توجہ دلاتے ہیں- مسلمان اگر کائنات کو مسخر کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ پہلے اپنے نفس کو مسخر کریں، یعنی نفس کے طبعی رجحانات و میلانات کو قابو میں لانا اور اس کو تزکیہ پر امادہ کرنا بہت بڑی عبادت ہے- اقبال اس کو جہاد اکبر سے تعبیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خودی کی تربیت و اصلاح کے لئے لازمی ہے کہ انسان اپنے نفس اور نفسانی خواہشات پر قابو پانا سیکھے- اگر اس نے نفس امارہ پر قابو پالیا تو خودی کی ارتقائی منازل بآسانی طے کرلے گا-

"واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى"(۲۴)

(جو کوئی مقام رب سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو سفلی خواہشات سے باز رکھا، پس اس کے لئے جنت میں ٹھکانا ہوگا)

قرآن کریم میں تزکیہ نفس کو ضبط نفس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے-

تکمیل خودی یا خودی کی ارتقاء کا سب سے اہم مرحلہ نیابتِ الٰہی ہے- یہاں پہنچ کر وہ سایہ خدا بن جاتا ہے، وہ شجاعت کا پتلا، صداقت کا مجسمہ، شرافت کی کان اور نیکی کی روح رواں بن جاتا ہے- اس منزل پر وہ بنی نوع انسان کا پیشوا بن جاتا ہے اور دوسروں کی دستگیری اور راہنمائی کرتا ہے- وہ تخلیقی قوتوں کا مظہر بن کر کائنات کی گتھیوں کو سلجھاتا ہے- خودی کے منازل ترقی اور اس کا ارتقاء اس عالم زمان و مکان کی تسخیر پر ختم نہیں ہوتے- شاعری کی چشم تخیل انسان کی جہد و عمل کے لئے اس کے ماورا نئے نئے میدان میں دیکھتی ہے-

خودی کی یہ ہے منزل اولین   مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکدان سے نہیں   جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی ہیں آشیاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اس راہ میں ایک راہنما کی ضرورت ہے اور وہ راہنما عشق ہے- عشق میں وہ طاقت ہے جو خودی کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے-انسانی زندگی میں اس جذبے کو کتنا اُونچا اور اہم مقام حاصل ہے‘ اقبال اس حقیقت کو بیان کرتے نہیں تھکتے-انہوں نے اپنی شاعری اور فکر کے ہر دور میں عشق کے موضوع پر لکھا‘ مگر اس موضوع میں ان کے لیئے کچھ ایسی کشش کچھ ایسا جذب موجود تھا کہ ہزار تکرار کے باوجود نہ ان کی طبیعت سیر ہوئی اور نہ اشعار کا جادو کم ہوا-

اقبال تاریخ عالم کے ان معدودے چند مفکرین اور فلاسفہ میں سے ہیں جو زندگی کی تکمیل میں عشق کو غالباسب سے اُونچا اور سب سے بنیادی مقام دیتے ہیں-

"اسرار خودی" میں وہ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ خودی جو آرزوؤں اور تمناؤں کے آغوش میں آنکھ کھولتی ہے‘ عشق و محبت کی بدولت پختہ و جوان ہوتی ہے- محبت سے خودی ابدی اور لازوال بنتی ہے- محبت ہی اس کے جوہر مضمر آشکارا اور اس کے ممکنات کو روشن کرتی ہے-جب خودی عشق و محبت کی آگ میں جلتی ہے- تو وہ سورج کی طرح نور کا منبع بن جاتی ہے- عشق خنجر سے خائف نہیں ہوتا کیونکہ اس کی اصل عالم آب و خاک سے ماوراء کسی اور عالم سے تعلق رکھتی ہے- محبت کی نگاہ میں وہ جادو ہے کہ اس کی تاثیر سے پتھر بھی شق ہو جائیں-اس لئے ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنا معشوق تلاش کریں اور فریضہ عاشقی انجام دیں-

یہاں اقبال عشق کے مفہوم کو ابہام کے دھندلکوں سے بچا کر اس کی ایک واضح اور ٹھوس صورت پیش کرتے ہیں- محبت کے ہزاروں مقام اور ہزاروں رنگ سہی‘ مگر تکمیل خودی میں محبت کا جو عنصر درکار ہے وہ کسی انسان کامل کی محبت ہے تاکہ کردار اور سیرت اس کے رنگ میں رنگ سکے -اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سانچے میں ڈھل جائے- ہماری توجہ محبت کے اس نصب العین کی طرف مبذول کر دیتے ہیں جو ان کے نزدیک ہر مسلمان کے دل میں ہمیشہ موجود ہے' مگر ہماری غفلت اور بد قسمتی کے باعث ہماری آنکھوں سے او جھل ہو گیا ہے- چنانچہ ہم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں ایک معشوق موجود ہے' اگر تمہاری آنکھیں کام کرتی ہوں تو آؤ میں تمہیں دکھاؤں-

ہست معشوقے نہاں اندر دلت　　　چشم اگر داری' بیا' بنمائمت

یہ معشوق کیسا ہے؟ اس کے چاہنے والے حسینان عالم سے زیادہ خوبصورت' دلنواز اور محبوب ادا ہوتے ہیں- اس کی محبت سے دل توانائی پاتا ہے اور خاک ہم دوش ثریا ہو جاتی ہے اور پھر بیان کرتے ہیں:

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است　　　آبروی ما زنام مصطفیٰ است

رسول اکرمؐ سے محبت محض جذباتی یا مذہبی نوعیت نہیں رکھتی- یہ محبت شخصی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نصب العین' ایک اسوہ حسنہ' انسانی سیرت کی ایک معراج سے محبت ہے تاکہ ہم میں مطلوبہ اوصاف ابھر سکیں- یہی وجہ ہے کہ اقبال نے چالیس کے قریب جو اشعار اس باب میں رسول کریمؐ کی نسبت لکھے ہیں' ان میں' نعت کا انداز کم اور سیرت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے-

ایسے انسان کامل کی محبت خودی کی قوتوں کو بیدار اور اس کے ممکنات کو روشن کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے- اس محبت کا رنگ کیا ہونا چاہئے؟ اقبال اس کو "تقلید" سے تعبیر کرتے ہیں- اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آنحضرتؐ کی تعلیمات اور آپ کے اسوہ حسنہ کی سختی کے ساتھ پیروی کریں- اس ضمن میں وہ بایزید بسطامی کے عشق رسول پر ایک شعر لکھنے کے بعد حاشئے میں خود اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں-

> "حضرت بایزید بسطامی نے خربوزہ کھانے سے محض اس بنا پر اجتناب کیا تھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ نبی کریمؐ نے یہ پھل کس طرح کھایا ہے- اس کامل تقلید کا نام عشق ہے-"

اقبال کے نزدیک جس شخص کی خودی تقلید و عشق کی کٹھن راہ سے گزر جاتی ہے اس کے تصرفات و اختیارات کی حدود وسیع تر ہو جاتی ہے- (۲۵)

اقبال کے اس تصور خودی میں سب سے زیادہ وہ اشعار ہدف اعتراض بنے جن میں اقبال نے مرد مومن کو نائب خدا بنایا- حضرت ادیب آبادی کا ایک قول گزشتہ اوراق میں نقل کیا جا چکا ہے- کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں ادیب نے تصور اقبال کی تشریح اس طرح کی کہ انسان اپنی خودی میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ خدا کو بالکل فراموش اور نظر انداز کر دے۔(۲۶)

تصور اقبال کی یہ تشریح اس کے بنیادی واساسی فلسفہ کے خلاف ہے اقبال خودی کی بلندی اطاعت الٰہی کو قرار دیتے ہیں اور اطاعت کے لئے محبت و عشق کے جذبہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ کا عاشق و مطیع ہو گا' وہ کسی بھی صورت میں اللہ کی ذات یا اُس کے احکام کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

خودی قرآن و سنت کی روشنی میں

قرآنی احکام ہوں' یا نبوی تعلیمات' دونوں میں خودی کی بنیاد واساس دو چیزوں کو بنایا گیا ہے۔

(1) بحیثیت انسان ایک انسان کا کیا مقام و منصب ہے' اس مقام و منصب کی پہچان اور اسے برقرار رکھنے کی تدابیر۔

(2) ایک مسلمان کی حیثیت سے جو منفرد تشخص اللہ تعالیٰ نے عطاء کیا ہے۔ اُس تشخص' اُس مقام و مرتبہ کی معرفت اور اسے برقرار رکھنا۔ قرآن و سنت کے تصور خودی کا جائزہ لینے کے لیے مذکورہ اعتبارات سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

صفحات آئندہ میں ہم بالترتیب ان دونوں اعتبارات سے خودی کے تصور کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

کائنات میں انسان کا مقام و مرتبہ

قرآن کریم کی تعلیمات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمادات' نباتات' حیوانات' جنات' ملئکہ اور انسان یہ کائنات میں پائی جانے والی مخلوقات کی بنیادی اقسام ہیں اور ان اقسام میں انسان کو اعلیٰ ترین قسم شمار کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے انسان کو جن جن اعتبارات سے اعلیٰ ترین مخلوق قرار دیا ہے' انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ا-باعتبار ترتیب تخلیق

قرآن کریم میں اس کائنات کی تخلیق کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ اسے چھ دن کی مدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پیدا کیا گیا۔(۲۷) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو کس ترتیب سے تخلیق کیا گیا؟ امام مسلمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں تمام مخلوقات کی ترتیب کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان چھ دنوں میں تخلیق فرمائیں۔ حضرت ابو ہرۃؓ کی روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرۃؓ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔

"خلق الله التربة يوم السبت، و خلق فيها الجبال يوم الأحد، و خلق الشجر يوم الإثنين، و خلق المكروه يوم الثلثاء و خلق النور يوم الاربعاء و بث فيها الدواب يوم الخميس و خلق آدم عليه السلام بعد العصر من يوم الجمعة فى آخر الخلق فى آخر ساعة من ساعات الجمعه فيما بين العصر الى الليل" (۲۸)

(اللہ تعالیٰ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے روز پیدا فرمایا، زمین پر پہاڑ اتوار کو، درخت پیر کو اور اشیاء استعمال (لوہا وغیرہ) منگل کو، روشنی بدھ کو پیدا فرمائی، جمعرات کو اس زمین میں جانور پھیلا دیئے اور جمعہ کے روز عصر کے بعد حضرت آدم کی تخلیق فرمائی، مخلوقات میں سب سے آخر میں، جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعتوں میں، عصر اور رات کے درمیان آدم کی تخلیق فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق میں سب سے پہلے مٹی، زمین کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں انسان کی تخلیق فرمائی۔ اور یہ ترتیب اس بناء پر تھی کہ زمین پر بسنے والی مخلوقات میں سب سے کم درجہ کی مخلوق جمادات ہیں، ان سے اعلیٰ نباتات اس کے بعد حیوانات اور سب سے اعلیٰ انسان ہے۔ چنانچہ انسان کی تخلیق افضل ترین دن، جمعہ کی افضل ترین ساعت میں عصر و مغرب کے درمیان ہوئی۔ دیگر یہ کہ زمین پر پائی جانے والی یہ تمام مخلوقات انسان ہی کی منفعت اور اس کے فائدہ کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

"هوالذی خلق لكم ما فی الارض جمعياً (۲۹)

(کہ وہ خدا وہی ہے کہ جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں)

لہٰذا اس حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ تمام مخلوقات انسان کی پیدائش سے پہلے تخلق کر دی جائیں تاکہ انسان اس سے منتفع ہو سکے۔ جمعہ کے دن انسان کی تخلیق کے متعلق اس قدر روایات ذخیرہ احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں موجود ہیں کہ وہ متواتر بالمعنی کی حدود میں داخل ہو جاتی ہیں۔(۳۰)

۲۔احسن تقویم کا لقب

انسان کے متعلق حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں :

"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"(۳۱)

(ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا ہے)

۳۔جامع کمالات

انسان سے قبل جن مخلوقات کو تخلیق کیا گیا تھا ان کی تمام انفرادی خصوصیات انسان کے اندر جمع کر دی گئیں۔مثلاً ہفتہ کے دن تربت (مٹی) کو پیدا کیا گیا انسانی تخلیق کے لئے یہی مٹی استعمال کی گئی۔

"ومن ایتہ ان خلق لکم من تراب"(۳۲)

(اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"الناس بنی آدم و آدم خلق من تراب"(۳۳)

(لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں)

مٹی سے اس کی تخلیق کرنے کے بعد اس میں گوشت اور ہڈیاں پیدا فرمائیں' یہ عظام انسان کے اندر ان پہاڑوں کی مانند ہیں جو زمین پر تخلیق کئے گئے۔انسانی جسم کے اندر یہ صلاحیت رکھی گئی کہ اس کے اکثر حصوں پر بال اُگتے ہیں یہ چیز انسان کو نباتات کی صلاحیت کا حامل بناتی ہے۔انسان کے اندر عروق (رگیں) رکھی گئیں جن کے اندر انسانی حیات کو برقرار رکھنے کیلئے خون دوڑتا ہے یہ ان انہار کے مشابہ ہے جن کو اللہ تعالی نے تخلیق کیا۔انسان کی آنکھ میں وہ نور اور روشنی رکھی گئی جس کو اللہ تعالی نے بدھ کے روز پیدا فرمایا اور پھر انسان کے اندر وہ حیوانی خصائل رکھ دیئے گئے جن پر حیوانات کی تخلیق کی گئی۔اس طرح انسان ان تمام صفات و خصوصیات کو اپنی اندر جمع کرنے والا ہے۔جو اس سے قبل مخلوقات میں انفرادی طور پر موجود تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی تخلیق جمعہ کے روز کی گئی۔مختلف و متباین خصائل و خصوصیات کے حامل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان سابق تمام مخلوقات پر فوقیت و برتری رکھنے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴-خلقت بیدی کا شرف

کائنات میں پائی جانے والی ہر شے اللہ کی مخلوق ہے' اللہ کے سوا اس کائنات ارضی و سماوی میں خالقیت کی قدرت رکھنے والی کوئی ذات اور ہستی نہیں۔

"قل اللّٰہ خالق کل شیئی وھو الواحد القھار"(۳۴)

(آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے غالب ہے)

لیکن اس کے باوجود تخلیق انسان کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔

"قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی"(۳۵)

(کہا اے ابلیس! کس چیز نے روکا تجھے سجدہ کرنے سے اس مخلوق کو جس کو میں نے خود اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا)

یعنی اگرچہ مخلوقات تو سب ہی میری اور خالق سب کا میں ہی ہوں لیکن اس انسان کو یہ شرف وامتیاز حاصل ہے کہ اس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا گویا انسان کو دیگر مخلوقات میں وہی فضیلت وبرتری حاصل ہے کہ جو دیگر عبادات میں روزہ کو حاصل ہے کہ باوجود یہ کہ ہر عبادت صرف اور صرف خدا ہی کیلئے کی جاتی ہے اور اس کا عبادت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو خالصتاً اللہ کے لئے سر انجام دیا جائے' روزہ کے متعلق حدیث قدسی میں نبی کریم اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

"الصوم لی"(۳۶)

"روزہ میرے لیے ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احوال قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ شفاعت کی تلاش میں آدم کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے۔

"یا آدم اما تری الناس خلقک اللّٰہ بیدہ"(۳۷)

اے آدم کیا تم لوگوں کو دیکھ رہے ہو' آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔

یعنی ایک ایسی مخلوق جسے خدا تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہو' اس مقام فضیلت و برتری کو حاصل کرنے والی ہے کہ روز قیامت وہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت کر سکے۔

۵-اپنی روح پھونکنا

اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو نہ صرف اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا' بلکہ اس میں اپنی روح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی پھونکی جس سے اب تک کسی مخلوق کو سرفراز نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"فاذا سویته و ننخت فیه من روحی"(۳۸)

(جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں)

گویا آدم کو یہ فضیلت و برتری حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو اس آدم کے آگے سربسجود ہونے کا حکم دیا اور درحقیقت انسان کی یہی روح اس کے لئے اعلیٰ ترین وجہ فضیلت ہے۔

۶۔ اللہ کی صورت پر پیدا ہونا

انسان کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اللہ نے اس انسان کی تخلیق اپنی صورت پر فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خلق اللّٰه آدم علی صورته"(۳۹)

(اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)

اگر صورتہ کی ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف راجع کی جائے اور یہ معنی مراد لئے جائیں گے کہ آدم کی تخلیق اللہ کی صورت پر ہوئی ہے، علامہ عینی اور ابن حجر کے نزدیک صورت سے مراد صفت گی۔ عینی فرماتے ہیں یعنی۔

"خلق آدم علی صفته اے سمیعاً عالماً' بصیراً مکلماً(۴۰)

(یعنی آدم کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا یعنی، سمیع بصیر اور متکلم)

گویا انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو امتیازی صفات و خصوصیات عطا فرمائیں وہ یہ تھیں۔ اس کو سمع و بصر سے نوازنے کے علاوہ علم و تکلم کی دولت بھی عطا فرمائی۔ سماعت، بصارت اور تکلم یہ طاقتیں تو ایسی ہیں کہ جن سے ملئکہ اور جنات کو بھی اس سے قبل نوازا گیا تھا لیکن علم و بصیرت ایسی خصوصیات ہیں کہ جن سے ملئکہ کو بھی محروم رکھا گیا اور جنات بھی اس سے عاری تھے اور اس علمی فضیلت و فوقیت کی بناء پر خلافت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنات اور ملئکہ کی بجائے انسان کا انتخاب کیا۔

۷۔ ہدایت پر تخلیق

انسان کی پیدائش اور تخلیق کے متعلق نبی کریمؐ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرۃً انسان کو ہدایت و ایمان پر پیدا فرمایا ہے۔ ہر وہ انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ گمراہی، کفر اور شرک سے منزہ اور پاک ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک خطبہ میں نبی کریم نے اہمیت و عظمت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے آج سکھایا ہے وہ میں تم کو سکھانا چاہتا ہوں، اس فضیلت کو بیان کیا۔

"انی خلقت عبادی حنفاء کلھم"(۴۱)

(میں نے اپنے تمام بندے ہدایت واستقامت پر پیدا کئے ہیں)

یعنی وہ دین حنیف جس پر اللہ کے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اور جس دین پر اللہ تعالیٰ کو انسان سے عمل مقصود ہے حقیقت میں اسی طریقہ پر انسان کی پیدائش رکھی گئی ہے گویا وہ فطرت انسانی جس پر اس کی پیدائش ہوئی ہے، دین حنیف میں پوشیدہ اور چھپی ہوئی اور جب انسان اس دین حنیف کو چھوڑ کر یہودیت، نصرانیت، مجوسیت یا کفر و شرک کی کوئی اور صورت اختیار کرتا ہے اپنی فطرت سے روگردانی رکھنے والا ہوتا ہے۔

۸۔ کائنات کی تخلیق، انسانی خدمت کیلئے

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر جس قدر بھی مخلوقات تخلیق فرمائی ہیں، وہ انسان کی خدمت کیلئے پیدا فرمائی ہیں۔ لیکن انسان کی تخلیق اور پیدائش کی غرض کسی مخلوق کی خدمت یا عبادت نہیں بلکہ انسان کی تخلیق کا مقصد وحید اللہ کی عبادت و طاعت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"(۴۲)

(ہم نے جنات اور انسان کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری (اللہ کی) عبادت کریں)

اور یہ مقصد کائنات کی تخلیق کا اعلیٰ ترین مقصد ہے اور اس اعلیٰ مقصد کو پورا کرنے کیلئے اعلیٰ ترین مخلوق منتخب کی گئی۔

درجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوئی کہ مخلوقات کائنات میں انسان اعلیٰ ترین مقام رکھتا ہے اور پھر اس اعلیٰ مقام کی وجہ فضیلت پر بھی مختلف جہتوں سے بحث ہوئی۔

قرآن و سنت کی روشنی میں خودی کے تصور کا دوسرا پہلو بحیثیت مسلمان اپنے مقام و مرتبہ کی پہچان اور اپنے ایمانی مقام و مرتبہ کی حفاظت ہے۔

جس طرح انسان کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ہے۔ بنی نوع انسان میں صاحب ایمان طبقہ، نوع انسانی کا اعلیٰ ترین، افضل ترین اور بہترین طبقہ ہے۔ جس طرح بحیثیت انسان اسے اپنے مقام و مرتبہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معرفت اور اس کی پہچان اس کی خودی کے لئے لازی ہے' اسی طرح بحیثیت مسلمان اپنے مقام و مرتبہ کی پہچان' اپنی شناخت اور اپنا ملی' مذہبی اور اسلامی تشخص بر قرار رکھنا خودی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے قرآن کریم نے اس سلسلہ میں بہت واضح' بنیادی اور اساسی نوعیت کی ہدایات دی ہیں' جن پر عمل پیرا ہو کر امت مسلمہ اپنا ملی' مذہبی' اور اسلامی تشخص بر قرار رکھ سکتی ہے- اس ضمن میں جو احکام دیئے گئے اور جن ہدایات سے نوازا گیا' ان کو درجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے-

ا- کفار و مشرکین سے دوستی کی ممانعت

قرآن کریم نے ایک سے زائد مقامات پر کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے کی ممانعت فرمائی- اِس ممانعت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ دین اسلام' اس کی تعلیمات اور اس کی اخلاقی اقدار کو مذاق و تمسخر کا نشانہ بناتے ہیں-

ارشاد الہٰی ہے :

"یا ایھاا الذین امنو لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتو الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء"(۴۳)

(اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ)

"ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا"(۳۶)

(مشرک لڑکیوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں)

دوستی و نکاح سے ممانعت کے بعد ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا کہ جس کی وجہ سے کفار و مشرکین مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ رہیں- ارشاد ہوا-

"واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم"(۴۴)

(اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اس کے ذریعہ سے اپنا رعب جمائے رکھو ان پر جو کفر کی وجہ سے اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- کفار سے مشابہت کی ممانعت

اس سلسلہ کی دوسری ہدایت میں کفار و مشرکین کے ساتھ ادنی سی مشابہت اختیار کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایک سفر جہاد پر تھے- مقام جہاد پر پڑاؤ کیا گیا- سامنے ہی دشمن کی افواج پڑاو کیے ہوئے تھی- دشمن کی فوج نے اپنی تلواریں درخت سے لٹکائی ہوئی تھیں- صحابہ کرامؓ نے ان تلواروں کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی-

"اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط"

(ہمیں اس طرح تلواروں کے درخت بنانے کی اجازت دے دیں جیسے انہوں نے بنا رکھے ہیں)

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا یہ کہنا تو ایسا ہے کہ جیسا قوم موسیٰ نے کہا تھا-

"اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ"(۴۵)

نبی کریمؐ کا یہ ارشاد گرامی اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے کہ جسے اپنے ملی تشخص اپنے شعائر دینیہ اور اپنے طرق زندگی اس قدر محبوب اور پسندیدہ ہونے چاہیں کہ ان میں اغیار کی ادنی سی بھی مشابہت نہ پائی جاتی ہو کیونکہ اغیار کی تقلید و مشابہت اس ذہن و نظریہ کی عکاس ہوتی ہے کہ یہ قوم یا افراد اُس قوم سے مرعوب و متاثر ہیں- اور اپنے تمدن و معاشرت کو ان کے مقابلہ میں کمتر سمجھ کر اس کو ترک کرنے پر مجبور ہیں- مشرکین مکہ نے جب اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کا مشاہدہ کیا تو نبی کریمؐ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا جائے کہ کچھ عرصہ ہم آپ کی خدا کی عبادت کریں اور کچھ عرصہ آپ ہمارے معبودان باطلہ کی پرستش کریں-

اس پر یہ سورت نازل ہوئی-

"قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون لکم دینکم ولی دین "(۴۶)

یعنی میرا جو طریقہ زندگی ہے وہ منزل من اللہ ہے میں اسے ترک نہیں کر سکتا اگر تم اس طریقہ زندگی پر عمل نہیں کر سکتے تو جس راستہ پر چل رہے ہو' اس پر چلتے رہو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں- کفر اور اہل کفر سے بیزاری کا یہ اظہار ہی دراصل خودی کے تصور اسلامی کی اساس و بنیاد ہے- اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بغیر مسلمان قوم انفرادی خودی حاصل کرسکتی ہے اور نہ ملی واجتماعی- نبی کریمؐ نے اپنے صحابہؓ کی ایسی ہی تربیت فرمائی تھی کہ ان کے اندر احساس خودی اس حد تک زندہ تھا کہ اہل مکہ کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود' تکالیف ومصائب کی ہر نوع کے علاوہ اغیار کی بڑی بڑی پیش کشوں اور لالچ وطمع دلانے کی صورت میں بھی دین پر قائم رہے اور ایک لحظہ ولمحہ کے لئے دین متین کے بارہ میں شک وتذبذب میں مبتلا نہیں ہوئے- اس کی مثال میں صدہا واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن اس وقت صرف ایک واقعہ کے بیان پر اکتفا کیا جائے گا-

غزوہ تبوک کے موقع حضرت کعبؓ بن مالک شریک نہ ہوسکے- غزوہ سے واپسی کے بعد نبی کریمؐ نے کعبؓ بن مالک اور ان کے دو رفقاء کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی ان سے کلام نہیں کرے گا- کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتا رہتا لیکن میرے سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا- اپنی کیفیت وحالت کو کعبؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں-

> "حتی تنکرت لی نفسی والارض فما ھی بالارض التی کنت اعرف فلبثنا علی ذالک خمسین لیلۃ"
>
> (یہاں تک کہ یہ سرزمین ہمارے لئے بالکل اجنبی ہوگئی اور میں خود اپنے لئے اجنبی ہوگیا یہ وہ زمین ہی نہ تھی جسے میں جانتا اور پہچانتا تھا' اور ہم پر پچاس راتیں اس طرح گزریں)

اسی دوران غسانی بادشاہ کی جانب سے ایک قاصد شاہی مراسلہ لے کر حاضر ہوا جو ریشم کے ایک کپڑے پر تحریر تھا اس مراسلہ میں نبی کریمؐ کے کعبؓ بن مالک کے ساتھ اس رویہ پر افسوس کا اظہار کرنے کے بعد آپ سے ہمدردی کی گئی کہ آپ اگر ہمارے پاس آجائیں تو ہم آپ کا شایان شان استقبال کریں گے- اور ہر قسم کے اعزاز واکرام سے نوازیں گے- کعبؓ بن مالک اس غسانی یہودی بادشاہ کی اس پیش کش پر غضبناک ہوگئے اور ایک دہکتے ہوئے تنور میں اس مراسلہ کو ڈال دیا (۴۷)

۳- مخلوق خدا کی خدمت

کفر واہل کفر سے نفرت دبیزاری اختیار کرنے اور دوستی سے ممانعت کے بعد تیسری بڑی اساس وبنیاد یہ ہے کہ انسان مخلوق کے ساتھ ایسا طرز زندگی اختیار کرے جو اس کو محاسن اخلاق اور طہارت وتقوی کا پیکر بنادے- یعنی انسان رشد وفلاح کو اسی صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ وہ خالق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائنات کے ساتھ اپنے تعلق اور اپنی محبت کو قائم وباقی رکھنے والا ہو اور دوسری جانب مخلوق کے ساتھ اپنے روابط کو بر قرار رکھنے والا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں قیامت کے دن عذاب الٰہی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"انه کان لا یومن بالله العظیم ولا یحض علی طعام المسکین"(۴۸)

(یہ شخص خدائے عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اور خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو بھی غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا اس لئے مستحق عذاب ہوا۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر اہل دوزخ کی حسرت اور ان کے دوزخ میں داخلہ کے اسباب جو وہ خود اپنی زبان سے بیان کریں گے' نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

"ما سلککم فی سقر۔ قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین"(۴۹)

(تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔)

نبی کریمؐ نے صحابہؓ کرام کے نفوس کا اس طرح تزکیہ کیا' اس نفس کو جو امارة بالسوء تھا لوامه بنانے کے بعد اسے نفس مطمئنہ میں تبدیل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نفس مطمئنہ کو یہ نوید سنادی۔

"یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"(۵۰)

(اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی اور تیرا رب تجھ سے خوش' اور تو میرے خاص بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا)

یہ نفس مطمئنہ وہ نفس ہے کہ جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر باہمہ وجوہ مطمئن ہے اور اس سلسلہ میں کسی شک و شبہ' تردد یا تذبذب کا شکار نہیں۔ وہ اللہ کی مرضیات سے راضی اور خوش ہے اور اس کے احکام کو بطیب خاطر قبول کر کے عملی زندگی ان کے مطابق گزارنے کی سعی پیہم کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴-اللہ کی وحدانیت پر ایمان و استقلال

خودی کی چوتھی بنیاد و اساس کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے-

"وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فأنبئکم بما کنتم تعملون"(۵۱)

(اور اگر تجھ پر وہ دونوں (والدین) اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے (اللہ کے) ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو توان کا کچھ کہنا ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو- پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے)

کہ ہدایت 'ایمان و تقویٰ اور عمل صالح پر استقامت ہی میں خودی کا راز مضمر ہے- مخالف طاقتوں 'باغیانہ کاوشوں کا مقابلہ و مدافعت اور نفس کی خواہشات پر غلبہ حسن تدبیر اور حکیمانہ طرز عمل سے کرنا اور اپنا دامن تقویٰ پاک رکھنا خودی کی ایک بنیاد و اساس ہے اگر انسان اپنے عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں سے آلودہ ہو تو وہ نہ صرف اپنی خودی بلکہ پوری انسانیت کو فنا کرنے والا ہو گا- پھر رجوع الی اللہ کی تلقین کی گئی-

۵-اقامت صلوۃ

خودی کی پانچویں اور آخری بنیاد کو دو حصص میں تقسیم کیا گیا پہلا حصہ یابنی اقم الصلوۃ(۵۲) میں بیان کیا گیا ہے کہ اپنی خودی کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ اصول محض نظری اور فکری نوعیت کے نہیں ہونے چاہیں-بلکہ ان نظریات و عقائد کی تصدیق انسان اپنے عمل اور ایمان و تقوی سے اور ان کے تقاضوں کو پورا کر کے کر رہا ہو- جو انسان اپنے عمل و کردار سے اپنے اولین عہد' عہد الست کی تردید و تکذیب کر رہا ہو وہ انسان اس قابل نہیں کہ وہ خود کو کائنات کے سامنے اس کرامت و فضیلت اور اس اعزاز کے ساتھ پیش کر سکے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے-

دوسرا حصہ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر (۵۳) میں بیان کیا گیا ہے کہ جس کے اندر خودی کا احساس زندہ و تابندہ ہے 'اپنی حیثیت اور اپنے مقام و مرتبہ کو وہ بلند اور اپنے نظریات کو وہ حق سمجھتا ہے تو رشد و فلاح اور حق کا داعی بننے میں اسے کیا رکاوٹ ہے ؟ اگر انسان اپنی خودی کا تحفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کر سکتا اس کے تقاصوں کو پورا کرنے کے لئے خود بھی تیار نہیں' خود اپنی زندگی کو مقدس اور پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی معاشرہ کو برائیوں اور خرابیوں سے پاک کرنے کی سعی کرتا ہے تو ایسا انسان صف انسانیت سے گر کر اپنے اشرف المخلوقات کے اعزاز کو پامال کرنے کے بعد اپنے کو بہائم اور حیوانات کی صف میں داخل کرنے والا بلکہ خود کو ان سے ارذل بنانے والا ہو گا- ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا-

"اولئک کالانعام بل ھم اضل" (۵۴)

(جو لوگ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)

ان بنیادوں پر انسان جب اپنی خودی کی تربیت کرے گا تو نہ صرف اپنے شرف انسانیت کو برقرار رکھنے والا ہو گا بلکہ اس میں ترقی کے منازل طے کرنے والا' اللہ کی معرفت و رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے والا ہو گا- اور یہی اسلام کا تصور خودی ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں اس خودی کو پہچاننے' اس کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اپنی عملی زندگی اس کے مطابق بنانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے- (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی و حوالہ جات

۱- فرہنگ جامع فارسی 'کتاب فروشی خیام' ج ۲ : ص ۸ ۳ ۴ ۱ ۷ ۱- مرتب شاد محمد پاشا-

۲- مراد الافاضل 'لاہور' دانش گاہِ پنجاب' ۵ ۴ ۳ ۱۹ء ج ۲ : ص ۱۸۲ مرتب : اللہ داد فیض-

۳- فرہنگ فارسی 'لاہور' کتابستان' ص ۶۰ ۳' مرتب :ڈاکٹر محمد لطیف

۴- حضرت ادیب اے آبادی' علامہ اقبال اور فلسفہ تصوف' نیرنگ خیال' ستمبر' اکتوبر' ۱۹۳۲ء

۵- ۲ :البقرۃ' ۱۴۳

۶- ۲ :البقرۃ' ۱۲۹' ۱۵۱- ۳ : آل عمران : ۱۶۴- ۶۲ :الجمعہ : ۲-

۷- ۳ : آلِ عمران : ۱۶۴

۸- ایضاً : ۱۰۳

۹- ۴۸ :الفتح : ۲۸-

۱۰- ۱۷ :الاسراء : ۸۱

۱۱- ابن ھشام' عبد الملک' السیرۃ النبویۃ' بیروت' دار احیاء التراث العربی' ج ۴ : ص ۲۵۲

۱۲- تفصیلات کے لئے دیکھئے :

۱۳- ھاشمی' سید محمد متین مولینا' سید ہجویر' لاہور' معارف اولیاء' ۱۹۸۵ء ص ۸۹ تا ۱۰۳-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴- ۲ :البقرۃ : ۲۵۵-

۱۵- تفصیلات کے لئے دیکھئے-

طوسی، ابو نصر سراج، اللمع فی التصوف، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۶ء، ص ۲۷ تا ۴۷، اردو ترجمہ : پیر محمد حسن، ڈاکٹر-

۱۶- ترمذی کتاب السنن، ج ۴ : ص ۲۵۷ : ابواب الدعوات-

۱۷- غزالی، ابو حامد محمد امام، کیمیائے سعادت، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص : ۴۵، اردو ترجمہ : سعید الرحمٰن علوی-

۱۸- ایضاً : ص ۴۶-

۱۹- افضل اقبال، ڈاکٹر، مولانا رومی، حکایات و افکار، لاہور، ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۹ : ص ۲۷۰-

۲۰- شبلی نعمانی، مولانا، سوانح مولینا روم، کانپور، نامی پریس، ص ۱۴۲ تا ۱۵۱-

۲۱- افضل اقبال، کتاب مذکور : ص ۲۷۳

۲۲- ایضاً : ص ۲۷۴-

۲۳- ۳ : آل عمران : ۱۳۲-

۲۴- ۸۰ : عبس : ۴۰، ۴۱-

۲۵- عابد حسین، ڈاکٹر، اقبال کا تصور خودی، لاہور، اقبال اکادمی-

۲۶- حضرت ادیب اے آبادی، علامہ اقبال اور فلسفہ تصوف، نیرنگ خیال، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۳۲ء

۲۷- ۷ : الاعراف : ۵۴-

۲۸- مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کراچی، اصح المطابع، ج ۲ : ص ۳۷۱ باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار - کتاب لمنافقین-

۲۹- ۲ : البقرۃ : ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۰- تفصیلات کیلئے دیکھئے:
مسلم 'کتاب مذکور' ج ۲ : ص ۱۷ ۳
ترمذی 'الجامع الترمذی' ج ۱ : ص ۱۱۰-باب فضل یوم الجمعۃ 'ابواب الجمعۃ
ابوداؤد' سلیمان بن الاشعث الازدی 'کتاب السنن' بیروت' دارالفکر' ج ۱ :
ص ۲۷۴ حدیث ۱۰۴۶' باب فضل یوم الجمعۃ- کتاب الصلوۃ
نسائی' ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب الحافظ 'کتاب السنن (المجتبیٰ) کراچی' ایچ
ایم سعید' ج ۱ : ص ۱۵۴' باب ذکر فضل یوم الجمعۃ- کتاب الجمعۃ
ابن ماجہ' ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی' کتاب السنن' بیروت داراحیاء'
ج ۱ : ص ۳۴۴ 'حدیث ۱۰۸۴' باب فضل الجمعۃ- کتاب الاقامۃ
دارمی' ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن کتاب السنن' ملتان' نشر السنۃ' ج ۱ : ص
۳۰۷ حدیث ۱۵۸۰' باب فضل الجمعۃ

۳۱- ۹۵ :التین : ۴

۳۲- ۳۰ :الروم : ۲۰

۳۳- ترمذی 'کتاب مذکور' ج ۲ : ص ۱۶۳' ابواب التفسیر 'سورۃ الحجرات-

۳۴- ۱۳ :الرعد : ۱۶-

۳۵- ۳۸ :صٓ : ۷۵-

۳۶- بخاری' محمد بن اسمٰعیل' الجامع الصحیح' کراچی اصح المطابع' ج ۱ : ص ۵۲۴ باب
فضل الصوم- کتاب الصوم-

۳۷- ایضاً : ج ۲ : ص ۱۱۰۱-باب قول اللہ لما خلقت بیدی- کتاب التوحید-

۳۸- ۳۸ :صٓ : ۷۲-

۳۹- بخاری 'کتاب و جلد مذکور : ص ۹۱۹-باب بدء السلام- کتاب الاستیذان-

۴۰- عینی' بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد- عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری- بیروت'
دارالفکر' ج ۱۱ : ص ۲۲۹-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۱- مسلم، الجامع الصحیح، ج ۲ : ص ۳۸۵-

۴۲- ۵۱ :الذاریات :۵۶

۴۳- ۵ :المائدہ :۵۷-

۴۴- ۸ :الانفال :۶۰-

۴۵- احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل بیروت، دار الفکر،
ج ۵ :ص ۲۱۸

۴۶- ۱۰۹ :الکافرون-

۴۷- ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴ :ص ۱۷۸، ۱۷۹-

۴۸- ۶۹ :الحاقۃ : ۳۳، ۳۴-

۴۹- ۷۴ :المدثر :۴۲تا۴۴-

۵۰- ۸۹ :الفجر :۲۷-

۵۱- ۳۱ : لقمٰن :۱۵-

۵۲- ایضاً :۱۷

۵۳- حوالہ بالا-

۵۴- ۷ :الاعراف :۱۷۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com